Research Journal MA'ARIF-E AULIYA

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)

ISSN: (2311-6552)

Published:
June 30, 2023

Comparative Study of Western and Islamic Theories of Interfaith Dialogue

مکالمہ بین المذاہب کے مغربی واسلامی نظریات کا تقابلی مطالعہ

Dr. Mahboob Ali Shah

Ph.D in Islamic Stuides

Abstract

Islam and west, and their relationship, is considered from the very beginning of Islam. First of all, we should come to know the term of "Islam" and west. Islam is a religion and its mean is peace and prosperity for all mankind. While "West" word denotes the boundaries and limited area although majority belongs to Christianity and Judaism. When we study Islamic History, we come to know Islam called for "Interfaith Dialogue: from the very beginning Hazrat Muhammad (upon whom be Allah's peace and greeting) sent letters to all non-Muslim kings and sent messages for interfaith dialogue. Islam is a complete code of life which gives guidance for social, Individual, economic, political and religious life. While west believes that social and political life is different and religious life is different thing. West believes all societies should Bann religion in their private political, social and economic matters and only follow their rules and terms The Islamic world wish to live at peace with the west as well as the east but at the same time not to be dominated by them. It seeks to create better understanding with the west and to be better understanding by the west. Both Islam and west should have open arms for each other. They should not impose their rules on others but live the other one for its own rules and customs. Peace, freedom and prosperity should be for everyone.

Keywords: Interfaith dialogue, Western theories, Islamic, theories, Secularism, Qur'anic principles.

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

''مکالمہ بین المذاہب'' کوئی جدید موضوعِ بحث نہیں بلکہ انسانیت، مذاہب اور مکالمہ تینوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مختلف مذاہب کے درمیان معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی تعلقات صدیوں پر محیط ہیں۔انسانیت صدیوں سے اس دنیا میں رہ رہی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدل بھی ہوئے اور مل جل کر ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

مقالہ ہذا میں مکالمہ بین المذاہب کے اسلامی اور مغربی نقطۂ نظر اور نظریات وتصورات پر بحث ہو گی۔

قبل اس کے کہ اسلامی اور مغربی نظریات پر بات ہو، ''مکالمہ بین المذاہب'' کے مفہوم اور ضرورت واہمیت بیان کی جاتی ہے۔

مکالمہ کی لغوی تعریف:

علم الاشتقاق کی رُو سے لفظ ''مکالمہ "Dialogue"'' کے سادہ ترین معنی "Conversation" یعنی ''گفتگو'' کے ہیں۔(1)

''مکالمہ'' کو انگریزی میں "Dialogue" کہتے ہیں جو یونانی زبان کے دو الفاظ "Dia" جس کا معنی "Across-through" اور "Logos" یعنی "Conversation" یعنی ''گفتگو'' کا مجموعہ ہے۔(2)

"Di" کا مطلب ''دو'' ہے جبکہ "Dia" کا مطلب "Through" یعنی ''میں'' ہے۔ "Di-logue" یعنی دو لوگوں کی گفتگو، جبکہ "Dialogue" کا مطلب ''ایک سے زیادہ لوگوں یا گروہ کا آپس میں گفتگو کرنا'' ہے۔(3)

''مکالمہ'' (م۔ک۔ا۔ل۔مہ) گفتگو، زبانی سوال وجواب، ہم کلامی۔(4)

قرآن پاک میں مکالمہ کے لیے جو قریب ترین لفظ استعمال ہوا ہے وہ ''یحاور'' ہے یعنی ''باتیں کرنا''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا(5)

''اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہی) تھی تو ایک دن جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا، کہنے لگا: میں تم سے مال ودولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ (6)

"تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا۔"

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا (7)

"اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔"

قرآن حکیم میں یہ لفظ "گفتگو" کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا مکالمہ کے مفہوم کی وضاحت کے لیے قرآن حکیم کا یہ منفرد اسلوبِ بیان ہے۔

اصطلاحی تعریف:

Webster's کی لغت میں مکالمہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"دو یا دو سے زیادہ لوگوں کا آپس میں گفتگو کرنا مکالمہ کہلاتا ہے۔ "(8)

"مکالمہ، امن کے قیام کے لیے آپس میں ملاقات کرنا، فہم پیدا کرنا اور باہم مل کر رہنے کی کوشش ہے۔"(9)

"مذہبی شخصیات کا اعلیٰ فہم، عمیق سوچ، بھرپور تعاون اور ایک دوسرے کے تحفظات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آمنا سامنا کرنا مکالمہ کہلاتا ہے۔"(10)

"مکالمہ، لوگوں کے درمیان رابطہ کا نام ہے۔ اس عمل کے دوران ایک دوسرے کی عزت کی جائے اور دوسرے کے موقف کو سنا جائے۔ اس سلسلہ میں گفتگو اور نظریات کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ مکالمہ باہم گفتگو، فہم، اعتماد اور روحانی طور پر ترقی کا نام ہے۔"(11)

"مکالمہ بین المذاہب" کی ضرورت و اہمیت اور مقاصد:

"مکالمہ بین المذاہب" بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے کہ جس کے لیے جدوجہد کی جائے، بلکہ مکالمہ ان احساسات اور تاثرات کو اُبھارنے کا ذریعہ ہے جن کی بنیاد پر عقائد و نظریات کے اختلاف کے باوجود باہمی رشتوں کی بنیاد رکھی جا سکے، تاکہ مل جل کر رہنے، ایک دوسرے کی فلاح و بہبود اور اجتماعی سطح پر معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کے لیے راہ ہموار کی جا سکے، ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹے جا سکیں اور پھر اسی عمل سے گزر کر خدا کی قربت اور رضا حاصل کی جا سکے۔ ہر قسم کے مذہبی اختلافات اور ذاتی مفادات سے بالائے طاق ہو کر پُرامن باہمی مساوات اور برداشت کی فضاء قائم رکھتے ہوئے ایک میز پر دو یا دو سے زیادہ لوگ یا گروہ باہم ملتے ہیں تو اپنے تمام مسائل اور اختلافات کا حل نکال لیتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ کریں، باہمی اتحاد قائم کر کے برداشت

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

کی فضاء قائم کریں اور تصورات سے نکل کر علمی حقائق کا سامنا کریں۔اس کی بہترین صورت ''مکالمہ'' ہے۔

موجود دَور میں ''مکالمہ بین المذاہب'' کی اشد ضرورت ہے۔یہ ماضی کی غلطیوں کو بھولنے کی طرف پہلا قدم ہے۔ بے جادلائل کو نظرانداز کرنے اور مشترک امور پر جمع ہونے کی یہ اوّلین کوشش ہے۔قرآن حکیم اچھے طریق سے مناظرہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔قرآن کریم کے نزدیک اچھے طریق سے مراد وہ ماحول ہوگا جس میں اعلیٰ اخلاق، پُرامن فضاءاور برابری کی بنیاد پر گفتگو ہو گی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔(12)

''اور اہل کتاب سے جھگڑانہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو'' ۔

ایک اور آیت میں قرآن، عیسائیوں اور یہودیوں کو مسلمانوں سے مکالمہ کی دعوت دیتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (13)

''فرمادیجیے کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں تسلیم کی گئی،اس کی طرف آؤ۔''

درج بالا آیات کا تجزیہ کریں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے لوگوں سے مکالمہ کرنے سے منع نہیں کرتا بلکہ مثبت تعلقات کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے امن کے قیام کے لیے غیر مسلم اقوام سے معاہدات کیے۔ معاہدات، مکالمہ کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جن اقوام سے معاہدات کیے،ان کی مذہبی حیثیت پر بات نہیں کی بلکہ پیش آمدہ مسائل سے متعلق معاہدات کیے۔جو معاہدات ہوئے ان سے کسی بھی حوالہ سے اس بات کا شائبہ نہیں ہوتا کہ کسی فریق کو اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے کہا گیا ہو اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ تمام مذاہب کے پیروکار کسی ایک مذہب پر متفق ہو جائیں۔ ہرگز ایسا نہیں۔ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کریں جس کے باعث امن وامان، رواداری اور برداشت کی فضاء پیدا ہو۔

مارٹن ببر(1878ء۔1965ء)کے مطابق:

'' صحیح مکالمہ وہ ہے جس سے انسانی روح کے لازمی مقصد کا اظہار ہوتا ہو۔جب ہم ایک دوسرے کی گفتگو کو سنتے ہیں اور پورے یقین کے ساتھ جواب دیتے ہیں تو اس سے ہمارے درمیان مضبوط تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسا صرف مکالمہ کی بدولت ہی ممکن ہوتا ہے۔مکالمہ کی اس روایت میں مختلف العقیدہ لوگوں اور گروہوں کے درمیان صحیح فہم اور پُرامن بقائے باہمی کو ترقی ملتی ہے۔ مکالمہ ،غلط فہمیوں کو نظر انداز کرنے اور

دوسروں کے عقائد کو سمجھنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ مکالمہ کا لازمی جزو یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کے عقائد پر نظر ثانی کریں"۔ (14)

بین المذاہب مکالمہ آج کے دَور کی اہم ضرورت ہے اور امن کے قیام کے اوّلین اقدامات میں سے ہے۔ مناظرات، بحث و مباحثہ سے اجتناب کرنا اور باہمی متفقہ نکات پر مل بیٹھ کر مشترکہ مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا شامل ہے۔ مغرب کے دانشوروں اور علماء کے رویوں میں تبدیلی آرہی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق مغرب کا نقطہٴ نظر بہتر ہو رہا ہے۔ میسحیت کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے علماء اب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا احترام کرتے ہیں اور مکالمہ کی ضرورت و اہمیت پر زور دے رہے ہیں۔ دوسری ویٹکن کونسل کا اعلامیہ اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اسلام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پوپ جان پال دوئم نے اپنی کتاب "Threshold of Dialogue" میں لکھا ہے کہ:

"ایک عام مسلمان تمام تر دنیاوی سستی و کاہلی کے باوجود خدا کی انتہائی لگن اور بہترین انداز میں عبادت کرتا ہے۔ اس موقع پر کیتھولک عیسائیوں کو یاد دلاتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کی اپنے دین سے لگن کے طرزِ عمل کو اعلیٰ مثال سمجھتے ہوئے اپنے دین کی پیروی کرنی چاہئے۔"(15)

پروفیسر خورشید احمد کے تجزیئے کو ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی یوں بیان کرتے ہیں:

"چرچ کا اقدام خاص طور پر دوسری ویٹکن کونسل اور اس کے بعد ورلڈ کونسل آف چرچ کے اقدامات کو خورشید احمد حوصلہ افزا قرار دیتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ورلڈ کونسل آف چرچ نے بہت اچھا آغاز کیا ہے۔ تاہم درمیان میں انہوں نے محسوس کیا کہ بظاہر جو نظر آتا ہے، انہیں اس قابل نہیں بناتا کہ وہ مقصد حاصل کریں جو ان کے دماغ میں ہے۔ دوسری ویٹکن کونسل کی یہ اپیل کہ "ماضی کو بھول جاؤ" کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ: "جو پیغام میں نے کونسل کے اعلامیہ سے حاصل کیا اور جس پر میں بھی پُریقین ہوں، وہ یہ کہ "ماضی کو کریدنا نہیں چاہئے"۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں بہت کچھ ہو گا، جو اچھا ہو گا اور کچھ باتیں مشکوک اور پریشان کن بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ ماضی سے سبق سیکھ کر ہی حال اور مستقبل کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ وہ تجویز دیتے ہیں کہ ماضی کو گلے کا ہار نہیں بنانا چاہئے اور نہ ہی اختلافات کو بڑھا کر پیش کرنا چاہئے۔ کوئی بھی ماضی کو بھلا نہیں سکتا۔ پروفیسر خورشید احمد دلیل دیتے ہیں کہ ماضی کو بھلانا مثبت ہے، مگر غیر مفید کام ہے۔ وہ اختلافات کو پہچاننے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں لیکن ان اختلافات کو

مکالمہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنانا چاہئے۔ پروفیسر خورشید بیان کرتے ہیں کہ پچھلے چالیس سالوں میں چرچ نے مکالمہ کے لیے بہت اچھے اقدامات اور تجربات کیے جو مثبت اقدام ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکالمہ کے لیے مسائل کے حل تک پہنچنے کے لیے چار دہائیاں کوئی زیادہ وقت نہیں۔"(16)

آج دنیا جہالت، بھوک و افلاس اور معاشرتی ابتری کی شکار ہو رہی ہے۔ دنیا کو ان مسائل سے مل جل کر ہی نکالا جاسکتا ہے۔ دنیا میں جنگ، ناانصافی، ظلم، باہمی اختلافات کو مٹانے کے لیے یہ مکالمہ صرف زبانی حد تک نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس سلسلہ میں عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کے مغربی نظریات:

"مغرب" کا لفظ اس علاقے، مقام یا جگہ کے لیے بولا جاتا ہے جہاں سورج غرب ہوتا ہے۔ لہٰذا لفظ "مغرب" میں تاریکی اور اندھیرا وغیرہ مفہوم پنہاں ہے۔ یورپی اور سامی زبانوں میں "مغرب" "West" کے الفاظ "دُوری" اور "فاصلے" کے معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ "Gale" (جو اسکاٹ لینڈ کے بالائی حصوں اور آئر لینڈ کے باشندوں کی زبان ہے) کہتا ہے:

"West meant "away" and "back", Going west meant "disappearing".

عربی زبان میں "غرب" یا "مغرب" کا لفظ "West" کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے "غوَبَ" کا مطلب "دُور ہونا" ہے اور "غَوَبَ" کا مطلب "دُور کرنا" ہے، جلاوطن کرنا اور گھر سے دُور ہونا" کے ہیں۔(17)

"غَوَبته" کا لفظ "پردیس" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ غوب سے مراد گھر سے دُور اجنبی، دشمن یا مخالف "غراب" کا لفظ عربی میں "کوّے" کے لیے بولا جاتا ہے۔ کوّا اُڑان اور رنگ کے لحاظ سے دُور اور تاریکی کی علامت ہے۔(18)

"West mean highland areas, later it was spoken for America".(19)

امریکہ میں یہ لفظ مغربی سمت میں موجود ریاستوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور "ویسٹرن" "Western" کا لفظ ان ریاستوں میں موجود لوگوں کی شکل اور طرزِ حیات کی نمائندگی کرتا ہے۔

"Westernism a word first used in Nabaraska, was designed for this way of life".(20)

1935ء میں رومی سلطنت کی "East" اور "West" میں تقسیم کے ساتھ "West" کا نام زیادہ تر یورپ کے

مغربی حصوں کے لیے استعمال کیا گیا۔(21)

بیسویں صدی میں کمیونزم کے یورپ میں باقاعدہ آغاز کے بعد کمیونسٹ ممالک کو East کے نام سے اور غیر کمیونسٹ کو Western Black سے ممتاز کیا گیا۔(22)

مغرب کو اگر ہم جغرافیائی تناظر میں دیکھیں تو جن ممالک پر مغرب مشتمل ہے، وہ تمام کے تمام بحر روم کے شمال میں واقع ہیں۔ ان میں پرتگال، اسپین، فرانس، اطالیہ، جرمنی اور ان سے ملحق چھوٹے چھوٹے ممالک، نیز جزائر برطانیہ شامل ہیں۔ عیسائیت سے قبل رومن ایمپائر سیاسی اور انتظامی ضروریات کے پیش نظر مشرقی اور مغربی خطوں میں منقسم تھی۔ یہ خطے "مشرقی شہنشاہت" اور "مغربی شہنشاہت" کہلاتے تھے۔ جب رومن ایمپائر میں عیسایت رائج ہوئی تو ان ہی خطوں کے اعتبار سے منقسم ہو کر "مشرقی عیسایت" اور "مغربی عیسایت" کہلائی۔

بحر روم میں سسلی کے جنوب میں کیپ سوریلو اور تیونس کی کیپ بون کے درمیان اندازاً ایک سو میل (120 کلو میٹر) عریض آبی گزرگاہ بن جاتی ہے، جس کے سبب قدرتی طور پر اس کی تقسیم مشرقی اور مغربی سمندروں میں ہو جاتی ہے۔ مشرقی بحر روم کے کنارے واقع ممالک "مشرقی یورپ" اور مغربی بحر روم کے کنارے واقع ممالک کے "مشرقی یورپ" اور مغربی بحر روم کے کنارے واقع ممالک "مغربی یورپ" یا صرف "مغرب" کہلاتے ہیں۔(23)

بنی نوع انسان کو متحد کرنے میں مذہب کے کردار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مذہبی شخصیتوں کے باہمی مکالمے کی ضرورت ایک بڑا چیلنج ہے، اگرچہ اس مکالمے کی ابتداء مغرب کی طرف سے ہی ہو۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ تمام مذاہب کو ایک سائنسی نقطۂ نظر کی سطح پر لانے کا خبط بھی مغرب ہی کا پیدا کردہ ہے۔ بجائے اس کے کہ ایسا خاکہ تیار کیا جائے جو الہامی مذہب کی حیثیت سے ان کے الگ وجود کو تسلیم کرے، اس حقیقت کو واضح کرنے میں کوئی بڑا یا فیصلہ کن کردار ادا نہیں کیا۔ دراصل دوسرے عقائد جن میں لادینیت، قوم پرستی وغیرہ شامل ہیں، وہ خود نسل انسانی کے لیے بڑے خطرے بن گئے ہیں۔ یہ عقائد کسی آسمانی خدا کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انسان پر انسان کی خدائی مسلط کرنے کے لیے متحرک ہیں۔

قوم پرستی اور لادینیت کے پیدا کردہ تشدد کے سامنے مذہب کے پیدا کردہ اختلافات کی حیثیت نظر نہیں آتی۔ بیسویں صدی عیسوی کے دوران مغرب کی مسلط کردہ جنگوں کے درمیان قتل عام، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملے کے بعد کوریا اور ویت نام، ہنگری، چیکوسلواکیہ اور اب سابق یوگوسلاویہ پھر افغانستان اور عراق پر کیا گزری ہے۔

ٹیکنالوجی کی متنوع برکات کے تحفوں اور ایک عالمگیر دنیا کے ظہور نے مل جل کر رہنے کے کام کو آسان نہیں

بنایا۔اس سے قبل مشکلات اور خطرات جیسا کہ اب ہیں، فاصلوں کے سمٹ جانے کے عمل نے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب نہیں کیا۔یہ درست ہے کہ خیالات، تصورات اور اطلاعات کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کرۂ ارض کے پار پہنچایا جاسکتا ہے، پھر بھی صدیاں گزرنے کے باوجود باہمی محبت، فہم وادراک اور خیر خواہی کے جذبات ایک پڑوسی سے دوسرے پڑوسی تک نہیں پہنچ سکے۔

تمام تر سائنسی ترقیوں کے باوجود دنیا میں قیامِ امن ناپید ہوتا جارہا ہے اور اہل فکر ودانش کی طرف سے کافی عرصہ سے یہ صدا بلند ہوتی رہی تھی کہ قیامِ امن کے لیے مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مکالمہ اور گفتگو کا آغاز ہونا چاہئے۔ مغرب میں مکالمہ بین المذاہب کا تصور روز بروز ترقی کرتا جارہا ہے۔دوسرے مذاہب کے لوگوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرکے دنیا کو پُرامن بنانے کا جو مغرب دعویٰ کرتا ہے،اس تصور کے پس منظر میں کچھ مفادات کارفرما ہیں۔ مغربی مقاصد کی تکمیل اور اہداف کے حصول کے لیے مشنری سرگرمیاں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مغرب میں یہ سرگرمیاں مکالماتی سفر کا حصہ ہیں۔

مشنریوں کو اسلامی دنیا میں جو مسائل درپیش ہوئے،ان کو حل کرنے کے لیے مغرب نے دنیا میں مکالمہ بین المذاہب کی صدا بلند کی۔سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے مذہب سے توجہ ہٹ گئی اور مغرب سیکولر اور سرمایہ دارانہ نظام میں پھنس گیا اور مذہب یعنی عیسایت گروہ در گروہ میں تقسیم ہونے لگی۔اس مذہبی تقسیم کو روکنے کے لیے مکالمہ بین المذاہب کا سہارا لیا گیا۔ انجیلی عیسائی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی اپنی شدید خواہش نہیں چھپاتے۔عیسائی مشنریوں اور حکومتی اثر ورسوخ کے ذریعے وہ دنیا کے ہر خطے پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ان کی یہ خواہش بغداد تک محدود نہیں۔

سرکاری سطح پر چرچ نے مکالمہ کا مقصد انسانیت کی بھلائی کے لیے مختلف مذاہب کے درمیان امن کا قیام قرار دیا۔انسانیت کا اتحاد، مختلف العقائد لوگوں کے مابین دوستی،عام حقوق کا دفاع،ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنا اور عالمی مذاہب کے درمیان دوستی اور یہ تسلیم کرنا کہ دوسرے مذاہب میں بھی نجات ہے، لیکن متضاد رویہ دیکھنے میں یہ آیا کہ عیسائی چرچ کے باہر نجات ممکن نہیں۔ مکالمہ بین المذاہب سے مراد لوگوں کو انجیلی بنانا لیتے ہیں اور نجات کو محدود کردیتے ہیں۔

عصر حاضر کے مغربی فلاسفہ و مفکرین نے ایک نیا منہج بحث اختیار کیا ہے کہ موجودہ دَور کا انسان دینی اور عقلی دَور گزار چکا ہے اور اب ایک نئے دَور میں داخل ہوچکا ہے، جس کو ''تعبیرات کا دَور'' کہا جاسکتا ہے۔اس لیے عصر حاضر کو ''مکالمہ کا دَور'' کہا جارہا ہے۔اسی دَورِ تعبیرات میں مغربی فلاسفہ کے مطابق معاشرہ کے تمام افراد کے درمیان دوستی، مکالمہ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

مغرب کے ہاں جو مکالمے کا تصور پایا جاتا ہے،اس سے ان کا مقصد سیاسی برتری قائم کرنا اور دنیا میں عیسائیت کو غالب کرنا

ISSN: (2311-6552)

ہے۔ نوسٹرا اسٹیٹ یعنی "ہمارا دَور" سے ان کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ ایونجیکل نے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پر دباؤ ڈالا کہ وہ مکالمہ کے ذریعے عیسائی مشنری کو ترویج دیں۔

مختلف مغربی عیسائی فرقوں کے درمیان 18-1914ء کی جنگ سے پہلے اور بعد میں جو سنجیدہ مباحثہ ظاہر ہوا، اس نے انہیں اپنے موٴقف اور توجہ کو بدلنے یعنی تبلیغ کی بجائے مکالمہ کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ جمہوریت، سماجی ہم آہنگی، انصاف، امن، بھائی چارہ اور حقوق انسانی وغیرہ کے پردوں میں چھپ کر جب عیسائی آتے ہیں تو اچھے بھلے سمجھدار لوگ بھی ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں۔

65-1962ء میں ویٹکن کونسل کی صورت میں رومن کیتھولک چرچ نے پہلی دفعہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی بجائے مکالمہ کے ذریعے تعلقات قائم کیے جائیں اور یہ کوشش کی گئی کہ علاقائی سطح پر جو عیسائی موجود ہیں ان کو مسلمانوں کے عقیدے پر بہتر ہدایات دی جائیں اور مسلم ہمسائیوں کے ساتھ خاص طور پر وہ مہاجرین جو یورپ میں آکر آباد ہو گئے تھے، ان کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کو فروغ دیا جائے۔ ایک طویل عرصے سے رومن کیتھولک کے لوگ مسلم ممالک میں موجود تھے اور اس طرح کے تعلقات پیدا کر کے مسلمانوں کے ہاں کچھ قدر پائی۔

مغربی علمی دنیا کا ایک گوشہ ان مسیحی دینی رہنماؤں کے ہاتھ میں ہے جو مکالمہ بین المذاہب کے داعی ہیں۔ یہ اہل علم مختلف مذاہب کے درمیان خوشگوار تعلقات فروغ دینے اور اختلافی معاملات میں افہام و تفہیم کی راہ تلاش کرنے کے داعی ہیں۔ مغربی عیسائی مفکرین جدید دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ مکالمہ میں مشغول ہیں اور وہ عیسائیت اور اسلام کا مطالعہ تقابلی انداز میں کرتے ہیں۔ مکالمہ بین المذاہب برابری کی سطح پر ہوتا ہے، اگر مغرب سابقہ روایات کے مطابق دنیا پر اپنے تسلط کی خواہش بھی رکھے اور مکالمہ کی بات بھی کرے تو ایسا کرنا مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔

بیسویں صدی عیسوی میں پہلی دفعہ اس انداز میں مذاہب ایک دوسرے کے قریب آئے اور مکالمہ بین المذاہب پر بات چیت کا آغاز ہوا۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا جانے لگا اور لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور تعلقات کے سلسلے میں گفتگو کا آغاز ہوا۔ مغرب میں مکالمہ بین المذاہب کا باقاعدہ آغاز دوسری ویٹکن کونسل کے اعلامیہ سے ہوا۔ اگرچہ اس سے قبل ورلڈ کونسل آف چرچ کسی حد تک مذاہب کی ہم آہنگی کے حوالے سے کردار ادا کر رہی تھی۔

"The initiative for interfaith dialogue in the west was taken by the Vatican and the World Council of Church in

1950".(24)

مذہبِ عیسوی محبت کے پرچار کا درس دیتا ہے، اس لیے اگر اس کی تعلیمات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو انسانیت سے محبت کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ مکالمہ بین المذاہب، انسانیت سے محبت کی طرف ایک قدم ہے۔

"God wills love of neighbour inseparably from the love of God, which is shown in human action through love of others."(25)

لیکن تاریخ کے صفحات میں ان کا عمل اس کے بر خلاف ہے۔ خصوصاً فتح بیت المقدس کے وقت مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا، وہ عیسائیت کے چہرے پر ایک بد نما داغ ہے۔ معاشروں کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں، اس کا تدارک صرف مکالمے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

"As Iran sharpeneth Iran so the countenance of man his follow."(26)

عہدِ حاضر کی مکالمہ بین المذاہب کی تاریخ بہر حال چرچ کا فیصلہ تھا، جن کے خیال کے مطابق غیر عیسائیوں کے ساتھ تعاون اور تعلقات کو فروغ دیا جاسکے۔ اس کی ابتداء مسیحی مشنریوں نے کی، جو ملک سے باہر کام کرنے والے تھے۔ انہوں نے اس بات کو باور کرانے کی کوشش کی کہ عیسائیت غیر ملکی نہیں ہے۔ پہلی مشنری کانفرنس 1914ء میں ایڈنبرا میں ہوئی۔ اس میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی کہ کس طرح ایک مسیحی، غیر مسیحی کے ساتھ اپنے عقیدے کو نظر انداز کیے بغیر کام کر سکتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عیسائی مشنری کی صورتحال بد ترین ہو گئی۔ اس صورت حال کو ختم کرنے کے لیے ورلڈ کونسل آف چرچ تشکیل دی گئی۔ اس سلسلے میں پروٹسٹنٹ، کیتھولک، ایونجیکل نے مختلف طریقوں سے مکالمہ بین المذاہب کے لیے کردار ادا کیا۔

پروٹسٹنٹ چرچ نے کیتھولک کی طرح مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے اعلامیہ جاری نہیں کیا، لیکن اس میں روحانی دانشوروں نے مکالمہ کے لیے کام کیا۔ اس سلسلہ میں "Paul Tillich" (1886-1965ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ کون سا مذہب ہمارا دوست ہے اور کون دشمن، ہمیں خود تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا تاکہ مکالمہ کو فروغ دیا جاسکے۔ انہوں نے اس حوالے سے ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا:

"Christianity Judgin its self in the light of its Encounter with the World Religions."(27)

William Cara(1761ـ1834ء)نے1806ءمیں پہلی دفعہ یہ تجویز دی کہ تمام مسیحی ملکتیں جمع ہوں۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہر دس سال کے بعد اسی طرح کے اجتماعات ہونے چاہئیں۔اس کی زندگی میں تو بات ممکن نہ ہوئی، لیکن 1844ءمیں جرمنی میں بین الاقوامی کانفرنس ہوئی۔اس کے بعد لندن میں پچاس ممالک سے آٹھ سو کے قریب طائفے آئے جو انجلی اتحاد کا مظہر تھے۔یہ کانفرنس بین الاقوامی مکالمہ کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔

جدیدیت پسندوں کی سوچ نے معاشرے کو سیکولر شکل دی جن میں چارلس ڈارون (1882ـ1809ء)اور کارل مارکس بنیاد پرستوں کے خدااور اس کی مخلوق کے اعتقاد کو چیلنج کیا۔

اس نئے عقیدے نے چرچ پر سوالات اُٹھانے شروع کیے، لیکن مسیحی بھی اس صورتحال سے ہوشیار ہوگئے، کیونکہ یہ سوالات صرف جدیدیت پسند نہیں بلکہ ان کے مذہبی طبقہ نے بھی اٹھانے شروع کردیئے تھے۔ Ernst-Troeltesh (1862ءـ1923ء)نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا انکار کیااور اس کے ان شکوک وشبہات کو بائبل کے تناظر میں جدید دریافت کے طور پر ترویج دیا گیا، جس کی وجہ سے بہت سے عیسائیوں نے عیسائیت کی بنیاد پر زور دیناشروع کیا۔عیسائیت کے اندر پائی جانے والی اس سوچ کو ختم کرنے کے لیےاقدامات کیے گئے۔

1910ءمیں ایڈنبرامشنری کانفرنس ہوئی،اس میں یہ اقدامات اٹھانے کا فیصلہ کیا گیا کہ مشن دنیامیں نئے سرے سے اپنے کام کا جائزہ لے۔اس کانفرنس سے بڑا مقصد مشرقی اور مغربی چرچ کے مابین اتحاد قائم کرنا تھا تاکہ پوری دنیامیں عیسائیوں اور دوسرے لوگوں کے درمیان اتحاد قائم کیا جاسکے۔1928ءمیں جب یروشلم کانفرنس ہوئی تو مشنریوں کامزاج بدل گیااور اس بات کا دعویٰ کیا گیا کہ دنیا کی مشکلات کا حل عیسائی "Gospel" کے پاس ہے۔

پوپ جانxxiiiنے انسانیت کے مابین بہترین تعلقات اور امن کے قیام کے لیے عیسائی برادری کی طرف سے جو اقدامات کیے،ان میں سیکنڈ ویٹکن کونسل کا اعلامیہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اس کا مقصد چرچ اتحاد تھااور دنیامیں جہاں کہیں بھی عیسائی موجود ہیں، ان کے درمیان اتفاق رائے قائم کرنا تھا۔ کونسل کے اجلاس کا آغاز 11 اکتوبر 1962ء کو ہوا، اس کے چار دورانیے ہوئے اور 8 دسمبر 1965ء کو یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ کونسل کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ چرچ کے تعلقات دوسرے مذاہب سے بہتر طور پر استوار ہوں۔

تین مذہبی دانشور جن میں Rahnar(1962-1883),Loclis Massignon(1905-1974) اورDenielou(1904-1984)کے نظریات نے ویٹیکن کونسل کے دوسرے مذاہب کے ساتھ رویّے پر گہرے اثرات

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

ڈالے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ Nostra Aetate دوسرے مذاہب خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ بہترین تعلقات کے حوالے سے نہایت اہم اقدام تھا۔اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ دستاویز اس وقت کے سیاسی اور معاشرتی پس منظر میں پیش کی گئی اور اس کونسل میں چار عنوانات پیش ہوئے:

> "Text that discuss inter religious dialogue are Lumen Gentium, Promulgated 21 November 1964, Nostra Aetate 28 October 1965, Dei Verbum, Gaudiumet Sper, Ad Gentes and Dignitatis Humanae all 7 December 1965."(28)

Nostra Aetate یعنی "ہمارا دور"، دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے نہایت اہم دستاویز ہے۔ دورِ جدید میں انسانوں کے مابین تعلقات مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔ مختلف اقوام ایک دوسرے کے قریب ہوتی جارہی ہیں۔ کیتھولک چرچ کی طرف سے دنیا کی اقوام اور مذاہب کی حیثیت کو تسلیم کرنا احسن قدم تھا۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کی تاریخ باہمی لڑائی، جھگڑے اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے جیسے واقعات سے لبریز ہے۔ سیکنڈ ویٹکن کونسل نے ماضی کو بھول جانے پر زور دیا۔ اگرچہ ماضی کو بھلایا نہیں جاسکتا لیکن ماضی سے سبق سیکھ کر مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ Nostra Aetate نے مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مکالمہ کے عمل میں اہم کردار ادا کیا لیکن مکالمہ اور عیسائی مشن کے مابین تفریق کا معاملہ کافی پیچیدہ رہا، کیونکہ کونسل کا اعلامیہ ایک طرف مشن کی تکمیل کی بات کرتا ہے اور دوسری طرف مکالمہ پر زور دیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکالمہ مشن کا حصہ ہے یا پھر "مشن" مکالماتی صورت اختیار کر جائے گا؟۔۔۔ابتداء میں کونسل کو اس مفاہمت پر مبنی رویّے کی وجہ سے جس کا اعلان اس نے غیر سیاسی لوگوں کے بارے میں کیا، کافی دباؤ کا سامنا رہا۔ بہر حال عیسائی برادری کی طرف سے دیگر مذاہب کے ساتھ مکالمہ کے حوالے سے کونسل کا اعلامیہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

انجیلوں کے نزدیک مشنری سرگرمیاں ہی مکالمہ کا دوسرا نام ہے۔ حالات وواقعات اس امر کی غماضی کرتے ہیں کہ انجیلوں کے نزدیک یہ بات کبھی پسندیدہ نہیں رہی کہ مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قائم کیے جائیں۔ 1978ء میں یورپ کے چرچ اس امر پر متفق ہوئے کہ عیسائیوں کی آپس میں ایک کانفرنس منعقد کروائی جائے۔

اگرچہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کی روایات سے خدا کے تعلق اور مذہبی تکثیریت کے حوالے سے چرچ اور مسیحی دنیا کو درپیش مشکلات میں اضافہ کیا، پھر بھی ان تمام تر مشکلات کے باوجود دوسرے مذاہب کے ساتھ مکالماتی عمل جاری رہا۔ ورلڈ

کونسل آف چرچز، رومن کیتھولک چرچ اور ایونجیکل کے درمیان خلا بڑھتا رہا۔ ایونجیکل نے ایک کامیاب تاریخی کانفرنس "Lausanne" کے مقام پر 1947ء میں منعقد کروائی۔اس میں 150 ممالک سے آئے ہوئے کم وبیش 2500 مندوبین نے شرکت کی۔ وہاں پر مشن، ایونجلزم، نجات اور مکالمہ جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے۔ اس کانفرنس میں مکالمہ کو ''ایونجیلزم'' کے معنوں کے طور پر اہمیت دی گئی۔اس کانفرنس میں G.W Peters (1907۔1988ء) نے کہا:

"Purpose is evangelism the procedure is dialogue." (29)

ایونجیکل عیسائی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی اپنی شدید خواہش کو نہیں چھپاتے۔عیسائی مشنریوں اور حکومتی اثرورسوخ کے ذریعے یہ دنیا کے ہر خطے پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ان کی یہ خواہش صرف بغداد تک محدود نہیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے کئی ادارے تبلیغی مشن کی تربیت دیتے ہیں۔کاریتاس نامی کیتھولک عیسائی تنظیم نے عراقی دفاتر کے تعاون سے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی شاخیں قائم کی ہیں تاکہ دنیا میں عیسائیت کو پھیلایا جائے۔

مغرب نے جب سپین، سسلی اور مسلمانوں کے دوسرے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کیا تو وہاں کے کتب خانوں اور جامعات سے بہت کچھ سیکھا اور چرچ کے بنیادی عقائد میں تبدیلی اور لبرل ازم آیا، جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے دوسروں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر مذہب کو نہ صرف دلائل کے ذریعے بلکہ تنقیدی حوالے سے دیکھا۔اس کے دو نتائج ظاہر ہوئے:

1۔ چرچ میں اندھی تقلید کا طریقہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔

2۔ سائنس نے ترقی کی اور ہر چیز کو عقلی بنیادوں پر پرکھنا شروع کر دیا، جس سے مغرب کے اندر ایک نئے دَور کا آغاز ہوا، سائنسی اور صنعتی میدانوں میں انقلاب برپا ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں اخلاقیات اور رُوحانی اقدار سے دُوری پیدا ہونے لگی اور فحاشی و عریانی عام ہوتی گئی۔ مغرب نے سیکولرازم اختیار کر لیا ہے۔ وہ تو خدا سے دوگنا دُور چلے گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے پہلا نمبر اپنی عوام کو طاقت کے لحاظ سے دے دیا ہے اور اس کے بعد قومیت ہے۔

"In the secularization of the west, God was twice dethroned and replaced; as the source of sovereignty by the people; as the object of worship by the nation." (30)

نشاۃِ ثانیہ اور تحریکِ اصلاح کے بعد زندگی کا تصور بدل گیا اور دنیا کے بارے میں مادی تصور کو فوقیت حاصل ہو گئی۔اب معاشرے کو فلسفیانہ اور سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جانے لگا اور مذہب ذاتی معاملہ قرار پایا اور دنیا کو مکافاتِ عمل قرار دینے کی بجائے

مقصودِ زندگی ٹھہرایا گیا۔

مکالمہ بین المذاہب کا اسلامی تصور:

اسلام دراصل انسانی آزادی، مساوات اور اخلاقیات کے فروغ کے لیے باہمی تعاون کی بات کرتا ہے جو تمام انسانوں کے درمیان مشترک ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم اور مسلم دنیا نے اہل کتاب کو صدیوں پہلے مذہبی رواداری، مذہبی ہم آہنگی، امن و آشتی، برداشت اور بقائے باہمی کی دعوت دی۔ انسانیت کی فلاح کے لیے پوری انسانی برادری کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کی قرآن اور رسول ﷺ کی جانب سے یہی حوصلہ افزائی ہے۔ جس کی بناء پر مسلم امہ اور مسلم ممالک اقوام متحدہ اس سے پہلے بننے والی مجلس اقوام، افریقی ممالک کے اتحاد کی تنظیم اور غیر جانبدار ممالک کی تحریک جیسے بین الاقوامی معاہدوں اور تنظیموں میں شمولیت سے انکار نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلم دنیا ہر قسم کی بین الاقوامی سرگرمی میں شمولیت سے انکار نہیں کرتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم دنیا مشترکہ بین الاقوامی مقاصد کو آگے بڑھانے اور بحیثیت مجموعی انسانیت کی خدمت کی خاطر دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہے۔

اسلام مختلف اقوام، مذاہب کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور دوسرے مذہبی عقائد اور نظریات کا احترام کرتا ہے۔ مذاہب کی تاریخ میں قرآن وہ واحد آسمانی کتاب ہے جس نے دوسرے مذاہب کے وجود کو تسلیم کیا۔ یہ اہل کتاب یہودیوں، عیسائیوں، صائبین، بت پرستوں اور ملحدوں سمیت سب کو مخاطب کرتا ہے۔ قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کی ہر لحاظ سے رہنمائی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دیگر عقائد کے ماننے والوں میں جو ان کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک ہوں، جو ہر قسم کے تعلق سے دُور رہنے کو ترجیح دیں، جو غیر جانبدار رہنا چاہیں اور جو دشمنی کا رشتہ استوار کرنے کے خواہش مند ہوں، ان سے کس طرح کا برتاؤ کرنا ہے۔ یہ حقیقت کہ ان تمام اقسام کی وضاحت اور مسلمانوں کے لیے ان میں سے ہر ایک سے برتاؤ کے اعلیٰ اخلاقی معیارات کی صراحت قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ قرآن کریم نہ صرف یہ کہ بین الاقوامی روابط کی رنگارنگی کو ملحوظ رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان باہمی میل جول اور قربت کی راہیں بھی تلاش کرتا ہے۔ دنیا میں امن کے قیام، مذہبی ہم آہنگی، باہمی روابط کے فروغ، برداشت اور ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے مکالمہ بین المذاہب نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

قرآن حکیم میں بے شمار ایسی آیات موجود ہیں جو غیر مسلم اقوام کے ساتھ اچھے تعلقات اور پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت سلوک کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے، جن کے مفہوم اور مکالمہ بین المذاہب کے درمیان یکسانیت پائی جاتی ہے:۔

1۔تعارف:

قرآن مجید میں ''تعارف'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے جاننے، سمجھ بوجھ اور تعلقات قائم کرنے جیسے مفہوم لیے جا سکتے ہیں اور مکالمہ بین المذاہب کی جو مجلس قائم ہوتی ہے اس کا مقصد بھی ایک دوسرے سے ملنا اور سمجھ بوجھ ہی ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (31)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔''

''تعارف'' مکالمہ بین المذاہب کے سلسلے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

2۔اصلاح:

قرآن میں "Bridge Building" کے لیے ''مصلحون'' کا لفظ آتا ہے جو کہ ''اصلاح'' سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ پُرامن، بقائے باہمی اور اچھے تعلقات کے طور پر آتا ہے۔ایک اور لفظ ''صلح'' ہے،اس کا مطلب ''امن کا قیام'' اور ''کشمکش کا خاتمہ'' ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (32)

''ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔''

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (33)

''میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔''

مکالمہ بین المذاہب، مفاہمت اور باہمی تعلقات کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ جبکہ ''اصلاح'' لوگوں کے درمیان استحکام اور اتحاد پیدا کرتی ہے اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مذاہب کے درمیان مفاہمت کے لیے

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

اصلاح کی بڑی اہمیت ہے۔

3۔احسان:

قرآن مجید مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ لوگوں سے نیکی کریں اور بہترین انداز میں گفتگو کریں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ(34)

''ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔''

احسان،پیغمبری طریقہ ہے:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ(35)

''اے پیغمبر (ﷺ)!لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔''

مزید فرمایا:

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی(36)

''اور نیکی اور پرہیز گاری کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔''

مکالمہ بین المذاہب،لوگوں کی بھلائی اور فلاح کے لیے ایک کوشش ہے۔

اگر ہم لفظ مکالمہ "Dialogue" کی ساخت کو دیکھیں تو یہ لفظ دو الفاظ "Dia-logas" کا مجموعہ ہے، جس کا مطلب ہے "Between word" یعنی ''مشترک بات'' ہے، جو تمام ادیان کے ماننے والوں کے مابین یکساں امور ہیں، ان کو بنیاد بنا کر ہی مکالمہ کیا جاتا ہے۔قرآن حکیم مسلمانوں کو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کی عزت کرنے اور ان کی عبادت گاہوں کے احترام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ(37)

''اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹاتا رہتا تو صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور مسجدیں جن میں خدا کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے، گرائی جاچکی ہوتیں،اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے، خدا اس کی

ضرورت مدد کرتا ہے، بے شک خدا توانا اور غالب ہے۔"

مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اہل کتاب کے ہاں بنا ہوا کھانا کھا سکتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ وَمَن يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ(38)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنا مقصود ہو، نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی، اور جو شخص ایمان کا منکر ہو، اس کے عمل ضائع ہو گئے اور آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔"

اسلام میں تمام لوگوں کے ساتھ مکالمہ کے لیے کہا گیا ہے۔ خاص طور پر اہل کتاب کے ساتھ، کیونکہ یہ (مکالمہ) لوگوں کے ساتھ رابطے کا بہترین ذریعہ ہے۔ تمام بنی نوع انسان ایک ہی کنبہ ہے اس لیے مکالمہ ان کے درمیان لازم ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ (39)

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص پیدا کیا۔"

اللہ ربّ العزت نے تمام دنیا اور تمام اقوام کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔

ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُوْلًا (40)

"اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا۔"

کسی پیغمبر اور رسول کو یہ نہیں کہا گیا کہ وہ زبردستی کرے، بلکہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں کو دعوت اور تبلیغ کے ذریعے

پہنچائیں۔اسلام دعوت اور تبلیغ کا حکم دیتا ہے کیونکہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ(41)

"اور (اے محمدؐ)! ہم نے آپ کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

قرآن حکیم مکالمہ کے لیے بنیادی اصول وضع کرتا ہے، جو یوں بیان کیا گیا ہے:

قُلۡ يَا أَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡاْ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ أَلاَّ نَعۡبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلاَ نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضاً أَرۡبَاباً مِّن دُونِ اللهِ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُولُوۡا اشۡهَدُواْ بِأَنَّا مُسۡلِمُونَ(42)

"کہہ دو کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ بنائے۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہنا، ہم فرماں بردار ہیں۔"

قرآن حکیم لوگوں کو بُرے القابات دینے سے منع کرتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدۡوًّا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ(43)

"اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں، ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔"

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ(44)

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں"

انسانیت آج جو مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے، جس کے باعث گلشن ہستی جہنم زار بن گیا ہے، اس کے اتحاد کی حقیقی اور محکم بنیاد توحید ہے، جو دنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے اور حضرت محمد ﷺ نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہل کتاب کو دعوت دی۔

قرآن مجید میں بیسیوں ایسی آیات ہیں، جن میں اہل کتاب اور مشرکین سے مکالمہ و مجادلہ اور بحث و مباحثہ کے اصول بتائے گئے ہیں۔اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود اپنے مکالمات بیان فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود اپنی مخلوق سے ہم کلام ہوا۔ سوال و جواب اور مکالمہ کی صورت میں بیانات ہیں۔ بلاشبہ قرآن میں موجود ہر لفظ رشد و ہدایت کے لیے بالخصوص ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مکالماتی اسلوب کے بیان کی مثالیں قرآن حکیم میں بیان فرمادیں۔ 143 مقامات پر قرآن میں مکالمانہ انداز

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

اختیار کیا گیا ہے، جسے ہم براہِ راست ''مکالمہ'' کا نام دے سکتے ہیں۔

الغرض قرآن نے فرشتوں سے مکالمات کیے، انبیاء سے، ابلیس سے، آسمان اور زمین سے، ارواح سے، اس کے علاوہ انبیاء کے ابنیاء سے، انبیاء کے اپنی قوموں سے، انبیاء کے دشمنوں سے، مخلوق کے آپس میں۔ یہ سارے مکالمات قرآن مجید میں خدا کے کلام کی صورت میں موجود ہیں، جن سے دعوت اسلامی کے میدان میں جدید دَور کے تقاضوں کے مطابق استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے اقوام کے ساتھ جو مکالمہ فرمایا، سیرتِ طیبہ سے اس کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک طرف حضور اکرم ﷺ نے مشرکانہ تہذیب کے نمائندہ افراد سے سردارانِ قریش اور ان کے وفود سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکالمہ کیا، دوسری طرف ورقہ بن نوفل سے لے کر نجران کے عیسائی علماء سے۔ آپ ﷺ کا، گویا عیسائیت سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکالمہ تھا۔ اس طرح مدنی دَور میں ''میثاق مدینہ'' جس کے بڑے فریق یہودی قبائل تھے، ان سے مکالمہ کی ایک صورت تھی۔

ان یثرب حرام جوفھا لاھل ھذہ الصحیفة(45)

''یثرب کی وادی اس میثاق کے فریقوں کے لیے واجبِ احترام ہو گی۔''

پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ کے یہود سے جو میثاق کیا، وہ باہمی مفاہمت کی بہترین مثال ہے۔ اس کے علاوہ نجاشی کی طرف سے حبشہ میں مسلمانوں کو بھیجا، حالانکہ وہ عیسائی سلطنت کا حاکم تھا۔

''صلح نامہ حدیبیہ'' مکالمہ بین المذاہب کی بہترین نبوی مثال ہے۔ اس واقعہ سے مکالمہ کے اصول وضوابط اور حدود و قیود کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے مشرکین مکہ سے بات چیت کی اور نرم پہلو غالب رکھا، تاکہ خونریزی سے بچا جاسکے۔ معاہدہ حدیبیہ کی اہم دفعات یہ تھیں:

1۔ تیرے نام سے اے اللہ!

2۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد (ﷺ) بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو میں طے ہوا۔

3۔ ان دونوں نے اس بات پر صلح کرلی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے، جس دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

4۔ یہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کا امان ہو گا اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہو گا۔

5۔ یہ کہ تواس سال ہمارے پاس سے واپس چلا جائے گا اور ہمارے ہاں مکہ نہ آئے گا، البتہ آئندہ سال ہم باہر چلے جائیں گے۔ تو اور تیرے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکیں گے، تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ہو گا یعنی تلوار میان میں پڑی ہو، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تو وہاں نہ آسکے گا۔(46)

صلح نامہ حدیبیہ پر امام زہریؒ یوں تبصرہ کرتے ہیں:

فما فتح فی الاسلام فتح قبله كان اعظم منه انما كان للقتال حيث اتقى الناس فلما كانت الهدنة، و وفعت الحرب و امن الناس بعضهم بعضاً التقوا افتفاوضوا فی الحديث المنازعة فلم يكم احد بالاسلام يعقل شيئا الا دخل فيه ولقد دخل فی تينک السنتين مثل من كان فی الاسلام قبل ذالک او اكثر (47)

"صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام میں اتنی بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی، لوگ جہاں بھی اکٹھے ہوتے جنگ ہو کر رہتی تھی، لیکن صلح حدیبیہ ہو گئی، جنگ موقوف ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے بے خوف ہو گئے، باہم ملی جلی باتیں ہوئیں تو کوئی عقل مند ایسا نہ تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوتی اور اس نے قبول نہ کر لیا، چنانچہ جتنے لوگ ابتداء سے اب تک مسلمان ہوئے تھے، صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔"

حضورِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر زبانیں سیکھنے کا کہا کیونکہ باہمی مکالمہ میں تاثیر اور قوت اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب پیغام کی زبان آسان، نرم اور قابل فہم ہو۔ ہم زبانی سے انسیت پیدا ہوتی ہے، اجنبیت دُور ہو جاتی ہے اور گفتگو کا مقصد آسانی سے سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ وہ فرماتے ہیں:

فتعلمت كتابهم مامدت لی خمس عشرة ليلة حتى حذقته و كنت اقرا له كتبهم اذا كتبوا اليه و اجيب عنه اذا كتب (48)

"پس میں نے ان کی زبان میں لکھنا سیکھ لیا، ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا، جب یہود کوئی خط آپؐ کی طرف لکھتے تو آپؐ کو پڑھ کر سنا دیتا اور آپؐ کو جواب لکھنا ہوتا، میں وہ لکھ دیتا۔"

شاہانِ عالم کی طرف بھیجے جانے والے نبوی سفراء کا معجزانہ طور پر انہیں قوموں کی زبان میں گفتگو کرنے لگ جانا بھی دعوت و تبلیغ اور مکالمے میں یکسانیت کی اہمیت کو واضح کر دیتا ہے۔(49)

اس کے علاوہ جن صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ نے مختلف قوموں کی طرف داعی اور مبلّغ بنا کر روانہ فرمایا اس میں بھی یہ چیز آپ ﷺ کی حکمتِ عملی کا حصہ نظر آتی ہے۔ وہ مبلّغ اسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، بصورتِ دیگر وہ اس قوم کی زبان، رسوم و رواج

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

اور ثقافت سے واقف ہوں۔ بہر حال آپؐ کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ کی نظر میں بین المذاہب مکالمے کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ آپؐ نے اس مقصد کے لیے صحابہؓ کی تربیت فرمائی:

ان یھود عوف امۃ مع المومنین للیھود دینھم و للمسلمین دینھم، موالیھم و انسفھم الا من ظلم وائم، فانہ لا یوقع الا نفسہ اھل بیتہ(50)

''اور بنو عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہے۔ خواہ ان کے موالی ہوں یا وہ بذاتِ خود ہوں، ہاں !جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے، تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے۔''

نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھے جن میں ان کو بات چیت کے لیے بلایا گیا۔جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے، اسلام ان کی عزت کو برقرار رکھتا ہے، جیسا کہ نجران کے عیسائیوں میں سے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی تبلیغ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور کچھ لوگوں نے انکار کیا تو وہ عیسائی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ بحفاظت ان کو ان کے وطن بھیج دیا۔یہی انبیاء کرام کا راستہ ہے کہ زبردستی نہ کی جائے اور آج کے مسلمانوں کا بھی یہ طرزِ عمل ہونا چاہئے کہ وہ دینی معاملات میں جبر واکراہ سے گریز کر کے اپنے اعلیٰ اخلاق سے لوگوں کو متاثر کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے ساتھ پہلے ہی سال مدینہ کے مختلف الخیال عناصر کو یکجا کرنے کے لیے اقدامات فرمائے۔ان اقدامات کے نتیجے میں اوس و خزرج، مہاجرین اور غیر مسلم، آپ ﷺ کی سیاسی قیادت میں متحد ہو گئے۔(51)

اسی طرح مدینہ کے معاشرہ کی مختلف اکائیاں انصار، مہاجرین، عرب قبائل اور یہودی قبیلے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع مدینہ کے وثیقہ پر متحد ہو گئے۔ اس دستاویز کی رُو سے ریاست کے تمام باشندوں کو برابری کے حقوق دیئے گئے۔ دفاعی سلامتی کو یقینی بنایا گیا، مذہبی معاملات کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق طے کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کے لیے مناسب ماحول بھی فراہم کیا گیا۔

7ھ میں یعنی اپنی وفات سے صرف تین سال قبل آنحضرت ﷺ نے قسطنطنیہ، مصر اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں کے نام جو تبلیغی خط لکھے اس میں یہ درج نہ تھا کہ عیسائیت جھوٹی ہے، اسے ترک کر دو بلکہ قرآن مجید کی یہ آیت خاص طور پر درج تھی:

قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (52)

''اسلام جغرافیائی حدود کو انسانیت کو مستقل طور پر بانٹنے والی حدود نہیں مانتا، وہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنا چاہتا ہے، جو ایک قانون کے تابع اور ایک مرکز سے وابستہ ہو اور جس میں انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز نسل و رنگ، زبان اور وطنی حدود

نہ ہوں بلکہ پوری انسانیت ایک خاندان بن جائے اور اگر کسی بنیاد پر ان میں فرق ہو تو وہ ایمان اور تقویٰ ہوں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی قوم، رنگ یا نسل سے وابستہ نہیں بلکہ پوری انسانیت ان کے سلسلے میں برابر ہے، ہر شخص انہیں حاصل کر سکتا ہے۔"(53) حدیث نبویؐ ہے:

الخلق کلھم عیال اللہ و احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (54)

"تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے جو اس کے کنبے سے اچھا سلوک کرتا ہے، اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔"

اسلام وہ مذہب ہے جس نے سابقہ آسمانی مذاہب کو تسلیم کیا ہے اور اس نے کسی کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے 7ھ میں خیبر، فدک، وادی القری، تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔"(55)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے مطابق:

"اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اس کی بنیاد خیر و تقویٰ پر ڈالی گئی ہے۔"(56)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ ہے:

لا تحاسدوا و لا تباغضوا و لا تقاطعوا و کونوا عباد اللہ اخوانا(57)

"ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے لاتعلقی اختیار نہ کرو اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔"

مغربی دانشوروں کا نقطۂ نظر:

مغرب اور اسلام کے مابین مکالمہ نہایت اہمیت کا حامل موضوع ہے کیونکہ دنیا میں امن اسی وقت قائم ہو پائے گا، جب ان دو بڑی تہذیبوں (مغربی و اسلامی) کے درمیان پائے جانے والے تنازعات کو حل کیا جائے گا۔ مغرب اور اسلام کے درمیان تعلقات کے حوالے سے مغربی دانشوروں میں مختلف نقطۂ نظر پایا جاتا ہے:

1) مغربی دانشوروں کی ایک بہت بڑی تعداد اسلام اور مسلم دنیا کو مغرب اور اس کی تہذیب و نظام کے لیے خطرہ باور کرتی ہے۔ برنارڈ لیوس اور سموئیل پی ہنگٹن کا تعلق مغربی دانشوروں کے اس طبقہ سے ہے۔

2) مغربی دانشوروں کی ایک تعداد ایسی بھی ہے جو مغرب کے لیے اسلام اور مسلم دنیا کو کسی قسم کا خطرہ یا چیلنج تصور نہیں کرتی۔ فریڈ ہالی ڈے اسی طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

3) جدید مغرب میں دانشوروں کا ایک طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو اسلام اور مسلم دنیا کو مغرب کے لیے خطرہ تو

Maarif-e Auliya
Research Journal
ISSN: (2311-6552)
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)

نہیں تصور کرتے لیکن اسلامی احیاء کی جدید تحریکات یا اسلام کے سیاسی نظام کو اس صلاحیت کا حامل تصور کرتا ہے کہ وہ جدید مغرب اور اس کے نظام کے لیے چیلنج بن سکے۔ جان ایل اسپوزیٹو، مغربی دانشوروں کے اسی طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔(58)

پہلے طبقہ ٔفکر کی رائے کے مطابق اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہے کیونکہ اسلام ہر حال میں خود کو غالب کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ مسلم دنیا میں تصادم کی صلاحیت نہیں پائی جاتی اور یہ کہ مسلم اُمہ انتشار کا شکار ہے، وہ متحد نہیں ہو سکتی۔ اس طبقہ ٔفکر کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

مسلم دنیا دَر حقیقت تصادم کرنا ہی نہیں چاہتی کیونکہ اسلام تو دین ہی امن اور سلامتی کا ہے اور یہ کہ مسلم اُمہ ہمیشہ متحد رہی ہے۔ اگر ہم اسلامی عبادات کا جائزہ لیں تو ہر عبادت مسلم اتحاد کا نمونہ ہے اور اسی اتحاد کی بدولت مسلمانوں نے برس ہا برس تک دنیا کے مختلف ممالک پر اپنی حکمرانی قائم رکھی۔

اسپوزیٹو، اسلام کو مغرب کے لیے خطرہ تو نہیں مگر اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر مغرب نے اپنی تہذیب کو تحفظ دینا ہے تو اسلام کو بحیثیت نظام تسلیم کرے۔ مغرب میں اسپوزیٹو کے اخذ کردہ نتائج بظاہر مقبولیت نہیں حاصل کر پا رہے ہیں البتہ مغرب اور اسلام کے درمیان مکالمے کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہ کوششیں اس وقت مفید ثابت ہو سکتی ہیں جب اسلام کو خطرہ کی بجائے ایک چیلنج تصور کیا جائے۔

مغربی اور اسلامی تصورات کا تقابلی جائزہ:

مغربی اور اسلامی تصورِ زندگی میں کس حد تک مشترک چیزیں پائی جاتی ہیں اور کن اُمور میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، کن مقامات پر مفاہمت کا اِمکان ہے اور وہ کون کون سے اُمور ہیں جہاں کسی بھی صورت میں تعاون نہیں کیا جا سکتا؟۔۔۔ زندگی کے اس تصور کے بارے میں جب تک حدود و قیود متعین نہ کی جائیں، تب تک مکالمہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔

اگر مغربی تہذیب کا مطالعہ کریں تو زندگی کا تصور درج ذیل تین بنیادوں پر قائم نظر آتا ہے:

1۔ انسانی زندگی کا اوّلین مقصد مادی ترقی ہے۔

2۔ زندگی کا دوسرا مقصد محض خوشی، لذت وغیرہ کا حصول ہے۔ اس لیے مغربی تہذیب میں لذیذ کھانے، تفریح، سفر، شام کے اوقات میں حصولِ لذت و خوشی کے لیے موسیقی، ڈرامے اور ٹاک شوز وغیرہ سے لطف اٹھایا جاتا ہے۔

3۔ مذہب کو محدود کر کے انسان کا ذاتی معاملہ قرار دیا جاتا ہے اور انسان کو اتنی انفرادی آزادی دی جاتی ہے کہ وہ

کسی بھی حدود و قیود کا پابند نہیں ہوتا۔

اسلام کا تصورِ حیات مغربی اور دیگر تہذیبوں سے اختلاف رکھتا ہے۔ اسلام انسان کو ایک فلاحی نظام دیتا ہے اور انسانی زندگی کے تمام معاملات کو عالمگیر اخلاقی اصولوں کے مطابق گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنا، ناانصافی، شراب نوشی، قتل و غارت اور زناء انفرادی سطح پر برائیاں ہیں تو معاشرتی اور ملکی سطح پر بھی ناقابل قبول ہے۔ اسلام کے عالمگیر اصول وقت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے اور نہ ہی اسلام کسی انسان کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اس میں تبدیلی کر سکے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد ایک ایسے خالق کے وجود پر ہے جو اپنی مخلوق کی نگرانی اور بھلائی میں مشغول ہے۔ وہ ایک انسان کو کسی بھی صورت تنہا نہیں چھوڑتا۔ الہامی ہدایت کی شکل میں عالمگیر اخلاقی ضابطہ اور قانون دیتا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ میں عدل و انصاف، اخوت و رواداری جیسے اعلیٰ اخلاقی اصول قائم ہوں اور لوگوں کی حق تلفی نہ ہو اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا مال انسانیت کی فلاح کے لیے خرچ کریں اور ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں انسان خوشی، لذت اور اطمینان بھی پاتا ہے اور اپنی اُخروی زندگی کو بہتر بنا کر اَجر بھی حاصل کر سکتا ہے۔

اسلام دیگر نظام ہائے زندگی کی طرح ایک عادلانہ معاشی نظام بھی رکھتا ہے جس میں تجارت اور شراکت داری ایک اخلاقی طرزِ عمل کے تحت کی جاتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں سودی نظام کی کوئی جگہ نہیں اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نہیں پائی جاتی۔ اگر ہم مغربی معاشی نظام کا جائزہ لیں تو ایسے بین الاقوامی معاشی ادارے قائم ہیں جو IMF, WTO اور ورلڈ بینک کی صورت میں مغرب کے زیر سایہ کام کر رہے ہیں اور وہ تیسری دنیا کی اقوام کو غریب سے غریب تر کر رہے ہیں۔

انسانیت کی ترقی میں ''خاندانی نظام'' خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مغرب میں مادیت اور انفرادیت نے اس خوبصورت ادارے کی شکل تباہ کر دی جس کی وجہ سے مغرب آج انتشار کا شکار ہے۔ انسان مشینوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ دورِ حاضر میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مغرب میں اسلام کے خاندانی تصور کو پیش کیا جائے۔ خاندان ہی وہ تربیت گاہ ہوتی ہے جو انسانوں کے اندر قربانی، ایثار، سچائی، عدل و انصاف اور رواداری جیسے اعلیٰ اخلاقی اصول پیدا کرتا ہے۔ مغرب اس خوبصورت نظام کے احیاء کے لیے اسلام سے راہنمائی لے سکتا ہے۔

اسلام مساواتِ مرد و زَن کو، ان کی پیدائش اور انسانی خمیر کے حوالے سے تو تسلیم کرتا ہے، لیکن مرد و عورت کے حقوق و فرائض اور معاشرہ کے کردار کے حوالے سے دائرۂ کار متعین کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کو اعلیٰ ترین مقام اور بلند ترین حقوق دیئے ہیں۔ دُنیا کا کوئی مذہب اور تہذیب ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج مغرب میں عورت کے حقوق اور آزادی کی صدا بلند کی

جاتی ہے۔آزادی کے نام پر بے راہ روی کا ارتکاب کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں مغربی معاشرہ جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا جارہا ہے۔اسلام نے عورت کو بے پناہ حقوق اور مقام و مرتبہ عطا کیا ہے۔ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کے روپ میں اسلامی معاشرے میں قدرو منزلت کے مقام پر فائز ہے۔ مغربی تہذیب کو عورتوں کے حقوق و فرائض اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے اسلام سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔

دہشت گردی، بربریت اور خود کش دھماکے تمام انسانیت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔اسلام اس شدت پسندی اور دہشت گردی کو ہر گز گوارا نہیں کرتا۔اس پروپیگنڈے کا علمی طور پر جواب دیا جائے۔اسلام کی دعوت کے لیے یہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔یہ ایک ایسا "Mindset" ہے جس کو ختم کیے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

موجودہ حالات میں جبکہ ہم زندگی کے تمام شعبوں میں زوال کا شکار ہو کر اور مسائل کے گرداب میں گھر کر خطرات سے دوچار ہیں،ایسے میں انسانیت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر طلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہے۔ جس کے لیے مشرق اور مغرب کے تمام طبقوں بالخصوص اربابِ اقتدار، علماء اور دانشوروں کو آگے بڑھنا ہو گا۔ ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ دنیا کی بقاء کے ساتھ ہی ہماری بقاء ہے اور اس کی بقاء ملکی اور فکری سرحدوں کی سالمیت پر منحصر ہے۔آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں دنیا کو پُر امن بنانے پر لگا دیں۔

خلاصہ بحث:

موجودہ دَور میں ''مکالمہ بین المذاہب''بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے۔اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن مکالمہ بین المذاہب کا یہ ہر گز مطلب نہیں کہ تمام مذاہب کا ایک ملغوبہ تیار کر کے وحدتِ ادیان کا تصور دے دیا جائے۔اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے،اس کی تعلیمات عالمگیر ہیں جو کبھی بھی معدوم نہیں ہو سکتیں۔اسلام کا دعوت و تبلیغ کا پیغام ہمیشہ چلتا رہے گا اور امن و سلامتی کی تعلیمات ہمیشہ موجود رہیں گی۔برابری کی سطح پر عقائد اور ایمان کے علاوہ دیگر معاملات پر مکالمہ ہو سکتا ہے۔

مغرب اور اسلام کے درمیان مکالمہ اس وقت مفید ثابت ہو سکے گا جب مغرب دوہرا معیار اور متضاد طرزِ فکر و عمل کو خیر باد کہے گا۔ایک طرف مغربی عوام انسانیت کی ہمدردی اور عالمی امن و سلامتی کا دعویٰ کرتی ہے،تو دوسری طرف انسانیت کی تباہی کا سامان بھی تیار ہو رہا ہے۔ماضی میں نو آبادیاتی نظام کے تحت کمزور ممالک اور اقوام پر اجارہ داری قائم کی گئی اور آج میڈیا اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے تیسری دنیا کی عوام کے ذہنوں پر حکومت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلم دُنیا کی حالت پر بھی نظر کرنی چاہیئے۔ فلسطین، شام، بوسنیا، برما، مصر، افغانستان میں کس طرح سے انسانیت کا خون بہایا جارہا ہے۔سیاسی، معاشی، معاشرتی اور

ثقافتی حوالے سے پوری اُمت مسلمہ کو یہودی پروٹوکول کے مطابق تباہ کیا جارہا ہے۔

"مکالمہ بین المذاہب" اس وقت مفید ثابت ہوگا جب دنیا کے ہر انسان کی قدر و قیمت کو پہچانا جائے گا، انسانیت کی تکریم ہوگی، استحصالی نظام کا خاتمہ ہوگا اور چھوٹے ملکوں کی سرحدوں کا احترام ہوگا۔

اسلامی تعلیمات پر نگاہ دوڑائیں تو کسی پر کوئی جبر اور ظلم نہیں۔ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے، اقلیتوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا، آزادی رائے کا احترام کیا، اعلیٰ عہدوں پر غیر مسلموں کو تعینات کیا، مذہبی آزادی دی اور ان کی عبادت گاہوں کو تحفظ دیا۔ یہاں تک کہ غیر مسلم عوام مسلمانوں کے زیرِ تسلّط رہنے سے خود کو محفوظ سمجھتے، بمقابلہ اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے۔۔۔!!

حوالہ جات

1۔ The Encyclopedia of Religion, Eliade. Mircea, p.344

2۔ Muhammad Shafiq, Muhammad Abu-Nimer, Interfaith Dialouge A Guide for Muslims, The International Institute of Islamic Thought Washington, 2007, p-1

3۔ Martin Forward, Interreligious Dialogue, Short Introduction, One world Oxforde, N.D P.13

4۔ جامع فیروز الغات (مولوی فیروز الدین، مطبوعہ فیروز سنز لاہور 2005ء)، ص 338

5۔ سورہ الکہف:34

6۔ ایضاً:37

7۔ سورہ المجادلہ:1

8۔ Interfaith Dialogue; A guide for Muslim, p.1

9۔ Interreligious Dialogue; A short Introduction, p.13

10۔ In Praise of Religious Diversity, James;B-Wiggins,N.D. p.74

11۔ The challange of Islam Encounter in Interfaith Dialogue. Douglas Pratt. Ashgate, USA 2005, p. 195

12۔ سورہ العنکبوت:42

13۔ سورہ آل عمران، آیۃ:24

14۔ www.islamic insights.com

15۔ Advocate of Dialogue, Compiled by Aliunal, Alphonse Willians, Pub; Fountain Virginia USA, 2002. p.246

16۔ Christian Muslim Dialogue in he Twentieth Century, p.129-130

17۔ Compact Oxford English Dictionary. Oxford University Press London, 3rd Ed. p.3743

18۔ AlmunjidFi al Lughah, 1973, p.547

19۔ Compact Oxford English Dictionary. Oxford University Press London, 3rd Ed. p. 3743

20۔ Ibid o. 3743

21۔ Ibid o. 3743

22۔ Wdbeter, 2597

23۔ جیلانی، عبدالقادر، ڈاکٹر، اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر، روشن پرنٹر لاہور 2010ء، ص24

23۔ IOS minaret.org/dialogue 8php. Interfaith dialogue

24۔ Luka-10:27, Rom-13:19,10, John-4:20,21

25۔ Prov:27:17

26۔ Islam and other Faiths, Islamail Raji Al-Farooqi, International

27۔ Institute of Islamic thought, USA, 1998 , p.271

28۔ Christian-Muslim Dialogue in the Twenieth Century, Ataullah Siddiqui, ST Martin Press Newyork, p.34

29۔ Ibid, p. 42

30۔ Islam and the west, Bernard Lewis, Oxford University Press New York 1993, p.184

31۔ سورہ الحجرات:13

32۔ سورہ النساء:114

33۔ سورہ الھود:88

34۔ سورہ حم السجدہ:34

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-1(Jan-June, 2023)
ISSN: (2311-6552)

35۔ سورہ النحل:125

36۔ سورہ المائدہ:2

37۔ سورہ الحج:40

38۔ سورہ المائدہ:5

39۔ سورہ النساء:1

40۔ سورہ النحل:36

41۔ سورہ الانبیاء:107

42۔ سورہ آل عمران:64

43۔ سوہ الانعام:108

44۔ سورہ البقرہ:256

45۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، المجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد نبوی ﷺ وخلافتِ راشدہ رضی اللہ عنھم، دارلنفاس، بیروت، 1983ء، ص99

46۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارلاشاعت، اُردو بازار، کراچی، 1987ء، ص108

47۔ ابن ہشام ابو محمد عبد المالک، السیرۃ النبویہ ؐ، دارالاحیاء لاتراث العربی، بیروت، 1995ء، 351/3

48۔ ابو عبداللہ امام احمد بن حنبلؒ، المسند، دارالاحیاء لاتراث العربی، بیروت، 1991ء، 238/6

49۔ ابو عبداللہ، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ذکر بعثہ رسول اللہ ﷺ بکتبہ الی الملوک، دار صادر، بیروت، 1995ء 258/1

50۔ السیرۃ النبویہ ﷺ، 3/433۔432

51۔ عون الشریف قاسم، نشاۃ الدولہ الاسلامیہ فی عہد رسولؐ، دارالکتب المصری، قاہرہ، مصر، ص34

52۔ سورہ آل عمران:64

53۔ پروفیسر، خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، ص511

54۔ خطیب تبریزی ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ الرحمۃ، 623/2

55۔ مولانا شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، نظامی پریس، لاہور، 1975، 78/2

56۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الحادِ مغرب اور ہم، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف، لاہور، پنجاب، 1974ء، ص128

57۔ امام ابوالحسین، مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب تحریم التحاسد والتباغض والتدابر، حدیث:
2405، شبیر برادرز، لاہور، 2007ء

58۔ ڈاکٹر محمد ارشد، مغرب اور اسلامی بنیاد پرستی، اسد پرنٹرز، لاہور، ص168